مرثیہ

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر
صدمہ عجب ہے بادشہ کائنات پر
طاری ہے مرگ خوف ہر اک ذی حیات پر
آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے دلا جو قبر علیؑ کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

۲
صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبط آہ
کیا مرحلہ ہے صعب یہ کیوں کر کٹے گی راہ
فرما گئے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا الٰہ
بھائی مرا یہی ہے یہی لشکر یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغ علیؑ کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

۳
دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ درد جاں گسل
پالا ہے بر میں آہ تجھے کس طرح سے دل
اے موت آ کہ روح علیؑ سے نہ ہوں خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اٹھایا نہ جائے گا

۴
یہ نوجواں بضاعت حیدرؑ ہے یا کریم
پیارا پسر یہی یہ برادر ہے یا کریم
حمزہ مرا یہی یہی جعفر ہے یا کریم
یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جانتا ہوں شیر خدا میرے ساتھ ہیں

۵
زینبؑ کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا
سہرا دکھا کے قاسمؑ بے پر بچھڑ گیا
پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبط نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو

۶
حضرت اِدھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہؑ بہ چشم تر
عباسؑ بیبیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
فرماتے ہیں بھتیجی کا منہ چوم چوم کر
پہلے تھا ذکر آب تسلی کے واسطے
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

۷
کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ فام
اصغرؑ کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیک نام
اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقت کلام
فرماتی ہیں کہ مرتا ہے ہے یہ تشنہ کام
دکھلاؤ اس کا حال شہ نامدار کو
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیر خوار کو

۸
کرتے ہیں عرض حضرت عباسؑ نامدار
پہ کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہ ذی وقار
بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
جائے پسر کو لے کے وہاں بہر کارزار
رخصت میں سعی کیجے کہ ہو نام آپ کا
وہ کام ہے غلام کا یہ کام آپ کا

۹
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ حال
جلتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساء کا لال
کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
نیکی بدی ہو تجھ تو کہیں شاہ خوش خصال
بانو نے مرتضیٰ کی کمائی کو کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

www.miranees.com

۱۰
زینبؑ یہ بولیں آپ کا دسواس ہے بجا
کیوں کر دلا دے بھائی سے ان کو کوئی رضا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا
تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

۱۱
کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات
بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لے کے اب یہ نہ جائیں سوئے فرات
پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گار خیر ہوں
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

۱۲
جس جا حسینؑ بیٹھے تھے عریاں سر گئے
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لئے
کی عرض تا بجا کوئی خونِ جگر پیے
پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بہ لب جیے
ہچکی لگی ہے اصغرؑ ناشاد کام کو
مولا بس اب نہ روکئے اپنے غلام کو

۱۳
فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
اچھا سکینہؑ جس میں خوشی تم ہمیں رلاؤ
یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو روؤ گی

۱۴
انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے
یہ اودے اودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
خیر اب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے
دولت ولیِ حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو رکھے
دریا کا معرکہ ہے خدا آبرو رکھے

۱۵
گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
اصغرؑ کو لائیں گود میں جب بانوئے حزیں
ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امامِ دیں
مجرم جو لب پہ حرفِ شکایت بھی آئے ہوں
لیجے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں

۱۶
یہ سن کے گود میں لیا اُس تشنہ کام کو
عباسؑ خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہراؑ کے جائے کی
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

۱۷
بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ژیاں چلا
غل پڑ گیا کہ یاورِ شاہِ زماں چلا
چلائے اہلِ بیت کہ راحت رساں چلا
لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
ہے ہے حسینؑ بے کس و بے یار ہو گئے

۱۸
اللہ رے رعب آمدِ عباسؑ عرش قدر
سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں میں صدر
غل ہے قریب تر ہے سپہرِ وغا کا بدر
زہرا ہے آب گھات سے بھاگے ہیں اہلِ غدر
آتا ہے ابنِ ضیغمِ یزداں لڑائی کو
شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

۱۹
لشکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس
ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نے حواس
وہ دور دور سب ہیں صفیں تھیں جو پاس پاس
آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں
گھوڑے بھگاؤ حضرت عباسؑ آتے ہیں

۲۰
وہ عازمِ وغا ہے جو شیروں کا شیر ہے
روتا ہے مل کے بھائی سے بھائی یہ دیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے
جرّار ہے شجاع جہاں ہے دلیر ہے
لرزہ ہے ان کے تن میں جو مردِ نبرد ہیں
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

۲۱
ان سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج
مانند بید کانپ رہے ہیں جوانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میانِ فوج
دامن لپیٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج
رایت تمام خوف سے تھرائے جاتے ہیں
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں

۲۲
نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم
نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم
پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم
ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے
صحرا زمرّدی ہے پھریرے کے رنگ سے

۲۳
وہ ضو علم کی وہ رخِ عباسؑ نامور
رکھے تھے ہاتھ چہرے پہ خورشید خیرہ سر
پنجہ اُدھر علم کا رُخ پر ضیا اِدھر
دو نورِ سرمدی تہ و بالا تھے جلوہ گر
یکتا وہ زرق برق میں یہ آب و تاب میں
تھا فرق ایک نیزے کا دو آفتاب میں

۲۴
پنجے سے نورِ پنجتنی آشکار ہے
پرچم پہ طرّۂ سرِ حوراں نثار ہے
دامن بھی ابرِ رحمتِ پروردگار ہے
پہونچا جو اس کے سائے میں وہ رستگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبیٰ نہال ہو اگر اس کی ہوا لگے

۲۵
ناگاہ غل ہوا فرسِ تیز گام لاؤ
آیا علیؑ کا سروِ رواں خوش خرام لاؤ
ہاں رخشِ تیز رو کو بصد اہتمام لاؤ
اسپِ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظار ابرشِ آہو شکار کا
جیتا سوار ہوئے گا دلدل سوار کا

۲۶
آیا فرس سجا ہوا کس ترک تاز سے
سرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے
جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
ذوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پہ
سُم تھے زمین پر تو دماغ آسمان پر

۲۷
وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیاں خجل ہو ہرن جن کو دیکھ کر
کیلیں نجوم نعل ہلال اور سم قمر
باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھائی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غصہ تھا یہ کہ تنگ ہے وسعت جہان کی

www.miranees.com

۲۸ دلدل نژاد برق تجلی براق سیر — دریا میں موج دشت میں آہو ہوا میں طیر
اسوار دم دلا سے گر پھیر لے تو خیر — گر سانس لے تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
سرعت غضب ہے گو کہ وہ بے آب و دانہ ہے — اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

۲۹ سائے کا لاش کے دھوپ میں سرعت سے تھا یہ حال — وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گہ بر میں گاہ بحر میں گاہ ہے سوئے جبال — گم کردہ آشیاں تھا عقاب کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا — گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا

۳۰ وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ — سو حسن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
جب چاہو سیر عالم امکان کی دیکھ آؤ — تازی ہو روح پوئی قدم میں وہ لطف پاؤ
رفعت میں پست حوصلہ کبک دری کا تھا — چھل بل ہرن کی تھی تو جھگڑا پری کا تھا

۳۱ لو اب سوار ہوتے ہیں عباس نامور — او دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو سبط کے ہاتھ آپ نے رکھا عیال پر — لو آفتاب خانۂ زیں پر ہے جلوہ گر
برچھا لیا سمند کو زانوں میں داب کے — لو وہ ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

۳۲ بڑھنے میں حرف ہاں جو دہن سے نکل گیا — وحشی غزال دشت ختن سے نکل گیا
لشکر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا — جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیا برق بھی شرما کے رہ گئی — پچھلے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

۳۳ گھوڑا اڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد — بوئے چمن تھی یا قدم باد پا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرق ثریا سری کی گرد — اڑ کر سپہر فلک پہ گئی کربلا کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر — نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر

۳۴ شوکت وہ اس فرس کی وہ عباس کی نمود — پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود — تھا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے — یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

۳۵ پیدا تھا شکل حیدر کرار رعب حق — چمکا جو نور عرش بنا خاک کا طبق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق — ازبر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
موتی کے آگے دانتوں کی کچھ آبرو نہ تھی — سورہ تھا نور کا وہ بیاض گلو نہ تھی

۳۶ وہ ہاتھ کار خیر رہا جن سے روز و شب — ساعد تھے صاف ساعد پر نور شیر رب
بازو وہ جن میں قوت دست خدا تھی سب — شانے وہ جن میں شان نشان شہ عرب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھرا رہا — سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

۳۷ شان و شکوہ و صولت و عدل و نسب و داد — اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد
اشفاق و رحم و دوستی و خلت و وداد — خوف و رجا و آرزو و مطلب و مراد
اندوہ درد و رنج مطیعان نویں تھے — سب غاشیہ بدوش فرس کے جلو میں تھے

۳۸ شوکت کا قول تھا کہ مطیع جناب ہوں — کہتی تھی فتح خاک در بوتراب ہوں
نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں — دعویٰ تھا قہر کو کہ علیؑ کا عتاب ہوں
فاقے سے تھے پہ صبر بھی منہ موڑتا نہ تھا — ہر گام پر ثبات قدم چھوڑتا نہ تھا

۳۹ تلوار وہ ہلال کٹے جس کو دیکھ کر — تھی کہکشاں کمند عدو بند شیر نر
مہتاب آسمان ظفر آہنی سپر — خود آفتاب تھا تو جبین مبین قمر
رخ کے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے — حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

۴۰ نیزے کی نوک سے جگر آفتاب خوں — سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں
ابرو لیے جو تیغ ظفر تھا کماں کا نوں — تھا ماہ نو بھی جس کے خم و چم سے سرنگوں
دہشت سے گوشہ گیر ریان شام کے — ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

۴۱ نیزہ زمیں پہ گاڑ کے گونجا جو شیر نر — چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعر تر — جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبان ناطقہ الکن ہے لال ہے — لاریب فیہ مصحف ناطق کا لال ہے

۴۲ نعرہ یہ تھا کہ گوہر برج شرف ہوں میں — فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
فخر سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں — اللہ و پنجتن ہیں جدھر اس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا — پیرو ہوں بادشاہ ہدایت پناہ کا

۴۳ حیدرؑ کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے — جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جبرئیل کے بھی تین پر کٹے — پریوں کے کٹ کے تیغ سے جیسے سپر کٹے
ضربت کا حال عمرو دلاور سے پوچھیے — حیدرؑ کا زور مرحب و عنتر سے پوچھیے

۴۴ بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں — سقائے اہل بیت رسول انام ہوں
پیمبر کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں — شاہوں کا شاہ ہوں شہ دیں کا غلام ہوں
سینہ پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا — پر مشک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

۴۵ یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و دانہ سب — لیکن قریب مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب — کچھ مصطفیٰ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گذر گئے — کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

www.miranees.com

۴۶
ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو
بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو
تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
آثار مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمہارے زعم میں تقصیر دار ہیں
پر ان کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

۴۷
یہ دھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن
مرجھا گیا ہے احمد مختار کا چمن
پانی بغیر اب نہ جئیں گے وہ گل بدن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
نیلے ہیں ہونٹ پھول سے رخسار زرد ہیں

۴۸
جلّایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
دیں گے زبان تیغ سے ہم آپ کو جواب
پھر کس لیے ہے بیعت حاکم سے اجتناب
تیغے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا
جز آب تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

۴۹
ایسا سخن کبھی جو سُنا تھا نہ کان سے
جھوما فرس پہ جب شہ مرداں کی شان سے
برچھی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
بس خود بخود اُگلنے لگی تیغ میان سے
نعرہ کیا کہ او سگ ناپاک دور ہو
یہ کیا سخن ہے منہ میں ترے خاک دور ہو

۵۰
حجت تمام کرنے کے خاطر تھے یہ کلام
سوکھی زبان کو جو ہلا دے وہ تشنہ کام
ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
حاضر ابھی ہوں حیدرؑ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہے سب طرح کی امام جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

۵۱
کیا جانے مرتبہ پسر فاطمہؑ کا تو
سردار بردبار نکوکار نیک خو
عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
ان کا عدو خدا و پیمبر کا ہے عدو
جاری ہے فیض فاطمہؑ کے نور عین کا
غاصب ہے تو یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا

۵۲
یہ کہہ کے لی نیام سے تیغ شرر فشاں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظ جہاں
دہشت سے تھر تھرا گیا مریخ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوج شام کا دفتر اُلٹ گیا

۵۳
بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار
زیر زمیں کو گاؤ زمیں کو نہ تھا قرار
پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
تھرا رہا تھا نورِ فلک وقت گیر و دار
غل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

۵۴
اقبال تندرستی و آسائش و قرار
حکم و سکون راحت و آرام و اختیار
امن و امان صبر و توانائی و وقار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
آثارِ قہرِ حق انھیں معلوم ہو گئے
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

۵۵
غل تھا چمکتی آتی ہے تیغ اجل چلو
دب کر صدا غرور نے دی سر کے بل چلو
ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دریا بہے گا خوں کا کنارے فرات کے
دم بھر میں بند ہوئیں گے رستے نجات کے

۵۶
ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا
دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوج عدو روندنے لگی
جنگل میں برق قہر خدا کوندنے لگی

۵۷
چمکی جو تیغ آیۂ قہر خدا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

۵۸
ہر دم تھی معرکہ میں اجل اس کے دم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح و خم کے ساتھ
گرتا تھا خود کٹ کے برابر جھلم کے ساتھ
جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکہ درم کے ساتھ
ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا
تیغ نہ کہیئے آیۂ نصرت کا نقش تھا

۵۹
بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی تاب
جوہر میں آبروئے دیں اصالت میں لاجواب
مانند ذوالفقار گراں قدر لاجواب
وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب
اترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

۶۰
پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل
ناخن کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل
ڈھالوں سے پھول اُڑ گئے تھے برچھیوں سے پھل
گرتے تھے سہم کر قدر انداز منہ کے بل
گوشوں کو ڈھونڈتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
ریتی پہ نخل تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

۶۱
کوپال و تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر
دم میں یہ صف تمام ادھر کا پرا تغیر
دو دو تھے پیش آئینۂ تیغ بے نظیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اُڑ کر بھی مرغ روح کا بچنا محال تھا
جوہر حلم میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

۶۲
یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ
کمروں سے کھنچ نہ سکتے تھے خنجریان جنگ
لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینے تھے دنگ
تلواریں منہ چھپائے تھیں ضرب درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

۶۳
گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغ شرارہ ریز
چلنے میں تیغ تیز فرس تیز ہاتھ تیز
دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کو جائے گریز
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز
کشتہ ہوں ایک ضرب میں دو ہیں کہ چار ہوں
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دو چار ہوں

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی	۶۴	سر پر پڑی تو پیر کے بر تک پہونچ گئی
برسے نشاں برق جگر تک پہونچ گئی		پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
بڑھ کر کمر سے زیں پہ آئی سرنگ کے		ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے
ان کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سرگذار تھے	۶۵	ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے		تاپیں فرس کی تھیں کہ سروہی کے وار تھے
جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہلِ کید پر		شیرِ ژیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر
تیغ دودم سروں سے گذرتی تھی دم بدم	۶۶	دوزخ میں فوج شام کی بھرتی تھی دمبدم
بڑھتی تھی دم بدم تو ٹھہرتی تھی دم بدم		ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دمبدم
ڈر سے جگر بھی آب تھے زہرہ بھی آب تھے		موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
نکلا اُدھر سے وہ جو جس کا شکار تھا	۶۷	پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا		بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے		سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے
رہوار نے وغا میں کہاں رستمی نہ کی	۶۸	شمشیر جاں ستاں نے کہاں برہمی نہ کی
مالک سے بے کسی میں کہاں ہمدمی نہ کی		سو مرتبہ چلی پہ روش نے کمی نہ کی
دم سے تھا بحرِ خوں کا کنارہ لگا ہوا		جانوں کا گھاٹ پر تھا اُتارا لگا ہوا
جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گذر گیا	۶۹	پہونچوں سے دونوں ہاتھ اُڑے تن سے سر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا		گھوڑے سمیت گر کے یہ تڑپا کہ مر گیا
اُڑتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا		بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا
فتح و ظفر تھی غاشیہ گیر و رکابدار	۷۰	دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغ تابدار
جوہر تھے یا کہ سلسلۂ زلفِ تابدار		تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آبدار
اک شور تھا کہ زیست کا عرصہ قلیل ہے		پیاسو یہ ہو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے
دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ	۷۱	سر اُڑ گئے تنوں سے جدا تھے عناں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ		جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو		ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو
سر ہر قدم پہ تھے تنِ کفار سے جدا	۷۲	قبضہ کماں کا دستِ کماندار سے جدا
بھیجے تھے سر پہ سر لبِ سوفار سے جدا		ڈر سے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا
زہ گیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو		چلاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں	۷۳	چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشاں کے پاؤں		رن میں جمے رہے تو اسی نوجواں کے پاؤں
ہٹنا بھی ہے جہاد میں حق کا ولی کہیں		عباسؑ بھی ہٹیں جو ہٹے ہوں علیؑ کہیں
جب شیر سے ترائی کی جانب جھپٹ گئے	۷۴	صف آئی صف پہ گھوڑے پہ گھوڑے الٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے		جن کے قدم جمے رہے سر ان کے کٹ گئے
حملوں کے بعد تنتے تھے یوں نعرے مار کے		انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے
ہر شے تھی خوفِ ضربتِ شمشیر سے جدا	۷۵	ناوک کماں سے دور کماں تیر سے جدا
پیرِ حزیں جواں سے جواں پیر سے جدا		چلّے سمٹ کے ہوتے تھے زہ گیر سے جدا
سائے عقابِ تیر غمِ بے پری میں تھے		پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے
نیزے کو تولتا ہوا گر کوئی یل بڑھا	۷۶	دریائے قہرِ حق کی طرف پر دغل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسامِ دو دستی کا پھل بڑھا		تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اجل بڑھا
دو ٹکڑے طول میں جو دمِ امتحاں ہوئے		غل تھا کہ معنی ید طولیٰ عیاں ہوئے
رکھتی تھی خود پہ نہ جھلم پہ نہ ڈھال پر	۷۷	حیرت تھی فوج شام کو اس چال ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر		جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چشمک یہ دمبدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں		چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں
گھوڑوں کے دوڑنے سے اُڑی دشت میں جو گرد	۷۸	مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد
جتنے جواں تھے دفترِ مردانگی میں فرد		چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دمِ نبرد
تصحیح کیسی ہوش میں اک خود غلط نہ تھا		زخمی تھے منہ کہیں اثرِ خال و خط نہ تھا
ہر سمت تھا مقدمۂ جانوں کا رد و بکار	۷۹	آتی تھی موت جا کے وہ لینے کو بار بار
اسوار ہر طرف تمندار و رسالہ دار		طلبی لیے تھے منشئ فوجِ ستم شعار
کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے		غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے باادب نشاں	۸۰	لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
اُٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں		نوبت یہ ہے تو فوج کا مٹتا ہے اب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں تھکے کیا سپاہ کا		سکہ پڑا ہے ضربِ علمدار شاہ کا
جب اُٹھ کے تیغ صفدرِ قدسی شرف گری	۸۱	گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
گویا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری		کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صفِ کارزار پہ		گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پہ

۸۲
آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے
بھاگے کمانیں تیر عدو جوڑ جوڑ کے
تلواریں پھینکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے
بھاگے وغا میں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
وہ برچھیاں نہ پھر نہ وہ شور مصاف تھا
جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

۸۳
دو رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے
جو تھے قریب نہر وہ سب دور دور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے
دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۸۴
لڑتا کنار نہر جو پہونچا وہ شہسوار
خوں پونچھ کر رکھی تہ ران تیغ آبدار
آئی صدا کہ حضرت الیاس باوقار
اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
سیراب ہو کوں تیغ پکڑ کر جو تو لڑے
دھو ہاتھ منہ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

۸۵
سقائے اہل بیت پکارا بہ چشم تر
میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
پیاسا ہے تین روز سے مختار خشک و تر
بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیے
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیے

۸۶
ڈالا میان نہر جو اسپ صبا شتاب
آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
موجیں بڑھیں برائے قدم بوسی جناب
اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیان آب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

۸۷
پانی سے منہ اٹھائے جو تھا اسپ سربلند
ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
بولا ہلا کے سر کو سمند وفا پسند
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہ ارجمند
حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
میں بھی تو ابن فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں

۸۸
فرمایا آپ نے مرے غم خوار مرحبا
دیکھا نہیں کبھی قدم صاحب وفا
[illegible] بھی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا
پیش خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
پانی سے اے فرس مجھے جب اجتناب ہو
سیراب کس طرح پسر بوتراب ہو

۸۹
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
پھر گھاٹ پر گھٹا کی طرح چھائی فوج شام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھر ہجوم عام
پھر ہر طرف سے چلنے لگے تیر اور حسام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
تشنہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

۹۰
گھوڑا کہیں گھرا کہیں اڑ کر نکل گیا
جو ڈر کے گر پڑا وہ سموں سے کچل گیا
نیزوں سے مر گیا کوئی کوئی دہل گیا
صف بجھ گئی ادھر کی جدھر وہ اچھل گیا
لشکر سے لے کے لاکھوں سے کیونکر وغا کریں
کیوں اے ہوا دلو عباسؑ کیا کریں

۹۱
برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیر کین
غربال ہو گیا تن عباسؑ مہ جبیں
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعین
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
مڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا

۹۲
ٹھنڈا جو ہو گیا علم شاہ دیں پناہ
عباس نامور نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ
مشکیزے پر بھی تیر لگا وا مصیبتاہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بہ صد یاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرت عباسؑ گر پڑے

۹۳
اٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباسؑ ذی حشم
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم
گرز گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے ستم
ٹکڑے ہوا جگر اسد ذوالجلال کا
سر پاش پاش ہو گیا حیدرؑ کے لال کا

۹۴
مڑ کر جو فرط غیظ سے قاتل پہ کی نظر
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیر نر
جوش غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشم دلیر سے

۹۵
شانوں سے سارے جسم کا جب بہ گیا لہو
رستی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
آواز دی کہ آئیے یا شاہ نیک خو
سر تن سے کاٹ لینے کے در پے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ [illegible]دار رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرت دیدار رہ نہ جائے

۹۶
نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر
گورے گلے میں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
چہرے کا رنگ اڑا ہوا کرتا عرق میں تر
کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو
آقا پدر پکار رہے ہیں حضور کو

۹۷
ڈیوڑھی سے بلبلا کے سکینہؑ نے یہ کہا
ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباسؑ کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہ کربلا
اب گھر سے میں نکلتی ہوں یا شاہ نینوا
مر جاؤں گی اگر انہیں جیتا نہ پاؤں گی
کیوں کر چچی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

۹۸
حضرت نے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں
ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارے کئی لعیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امام دیں
کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباسؑ مہ جبیں
بڑھنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو

۹۹
تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم
افتادہ ہے وہ خاک پہ لوٹتا ہوا علم
آئے ہیں یاں بکھیر کے پرزے اڑا کے ہم
پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دم
دنیا سے آج اٹھ گیا حامل نشان کا
لاشہ ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

www.miranees.com

۱۰۰
سنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر
تڑپے اُٹھے گرے نہ سنبھالا گیا جگر
چلاتے تھے کہو علیؑ اکبر چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے
کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

۱۰۱
عباسؑ کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے
فضہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سنائے
دیکھو حرم سرا سے سکینہؑ نکل نہ آئے
اکبرؑ اُجڑ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
پہنچا تو دوں نجف کی طرف مجکو موڑ دو
سرپیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

۱۰۲
یہ روزِ قتل حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدرؑ ہے اے پسر
یوم وفاتِ حضرتِ شبرؑ ہے اے پسر
صبر اب کہاں یہ داغِ برادر ہے اے پسر
سیرِ اَلم بتول کی جائی سے پوچھیے
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

۱۰۳
غربت میں لٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغِ پدر ہائے ہائے ہائے
سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے ہائے
کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباسؑ کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہید حسنؑ آج مر گئے

۱۰۴
کرتا تھا عرض باپ کو تھامے ہوئے پسر
زندہ ابھی ہیں حضرتِ عباسؑ نامور
دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہ بحر و بر
گھبرائیے نہ اب ہے ترائی قریب تر
خادم اٹھائے گا جد یاس پاش کو
چلیے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

۱۰۵
جس دم قریب لاش کے لائے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیر سن کے صدائے حسینؑ کو
عباسؑ جاں بلب نظر آئے حسینؑ کو
اکبرؑ نے ہاتھ اُٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شہِ ابرار گر پڑے

۱۰۶
بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر
بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامور
اٹھا یہ دل کہ منھ کے قریب آگیا جگر
اکبرؑ سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے ہزار جاں کے امامِ غیور کے
مجکو اُٹھا کے گود میں لاؤ حضور کے

۱۰۷
منھ دل کے منھ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال
عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
صفدر نے مسکرا کے کہا شکر ذوالجلال
آرام آگیا تپشِ روح و دل گئی
آپ آئے کیا کہ دولتِ کونین مل گئی

۱۰۸
مولا نزولِ رحمتِ پروردگار ہے
شبرؑ کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے
اب آمد آمدِ شہِ دلدل سوار ہے
شاید جنابِ فاطمہؑ کا انتظار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں تابوتِ نور لے
آئے ہیں باغِ خلد سے نانا حضور کے

۱۰۹
کیا بندہ پروری ہے زہے عز و افتخار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی تھی جانِ زار
لاکھوں برس کی زیست ہے اس موت کے نثار
دشوار ہے مفارقتِ شاہِ نامدار
کیوں کر نہ ایسے مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگامِ نزع جس کے سرہانے امام ہو

۱۱۰
رونے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ ذی وقار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جانِ زار
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہِ نامدار
تلوار کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

۱۱۱
کیا بے کسی ہے موت سے اے قبلۂ انام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام
باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقتِ کلام
کچھ ایسی آبنی ہے کہ مجبور ہے غلام
پاؤں گا اب کہاں میں امامِ غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

۱۱۲
گھبرا کے نزع میں علیؑ اکبر سے یہ کہا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا
اے شاہزادۂ دو جہاں میں ترے فدا
فرزندِ فاطمہؑ سے خبردار اب ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
تم کو نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

۱۱۳
یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر
ٹپکے مژہ سے خون کے قطرے اِدھر اُدھر
کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
نکلا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

۱۱۴
چلائے سر کو پیٹ کے سلطانِ بحر و بر
بے کس ہوا حسینؑ گئی دولتِ پدر
فریاد ہے کہ مر گئے عباسؑ نامور
آئی صدا علیؑ کی کہ شبیر صبر کر!
فرزند تھا مرا یہ تمھارا غلام تھا
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

۱۱۵
یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر
جعفرؑ بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر
زہراؑ سرہانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
نانا تمھارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
پرسا تمھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
یہ سب تمھارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

۱۱۶
اُٹھ کر پکارے حضرتِ شبیرؑ نامدار
ہے ہے مرا شفیق مرا یارِ غمگسار
میں لٹ گیا دُہائی ہے یا ربِ کردگار
خدمت گزار عاشقِ صادق وفا شعار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

۱۱۷
بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری
آنکھیں اُدھر تھیں اس کی جدھر تھی نظر مری
واحسرتا زرہ ہے مری ہے سپر مری
کیوں مجھ سے منھ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی
سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

www.miranees.com

۱۱۸
یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک
تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبائے پاک
بیٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک
کر ڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
اتوار جو آئے گر کے شہِ مشرقین کو
چلائی فاطمہؑ کہ سنبھالو حسینؑ کو

۱۱۹
جلدی عبا اڑھا کے دلاور کی لاش پر
اکبرؑ نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
خیمے سے نکلی آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر
تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
آمادہ گر تو ساتھ سکینہؑ بھی آئے گی
دیکھی چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی

۱۲۰
فرمایا شہ نے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا
روئے نہ پیارے بھائی کو مظلوم کربلا
مجھ سے ابھی تو بچھڑے ہیں عباسؑ باوفا
راحت ہو شمر آ کے جو کاٹے مرا گلا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ الفت کو توڑ دوں
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

۱۲۱
آواز پھر علیؑ کی یہ آئی کہ اے پسر
تو جا کہ میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
ڈیوڑھی پہ غش ہے زوجۂ عباسؑ نامور
دونوں غلام زادے تمہارے ہیں نوحہ گر
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں

۱۲۲
ناچار لاش چھوڑ کے اٹھے امامِ دیں
بے مشک علم کو لے کے چلے اکبرِ حزیں
کوتل تھا ساتھ اسپ علمدار مہ جبیں
باگیں کٹی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
لٹکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی
پرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

۱۲۳
ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا تھوتھنی فگار
سینہ بھی سب چھنا ہوا گردن بھی زخمدار
گردن پھرا کے تکتا تھا دریا کو بار بار
یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
اکبرؑ برہنہ سر لئے آتے ہیں اس طرح
دلدل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

۱۲۴
صدمے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر
چھینٹیں تھی خوں کی سبز پھریرے پہ سر بسر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر
جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم پہ علامت نشان سے
پیٹو کہ اٹھ گیا مرا حامل جہان سے

۱۲۵
پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں
آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرِ حزیں
دوڑا تڑپ کے دلبر عباسؑ مہ جبیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امامِ دیں
کوتل ہے کیوں ذرا مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے

۱۲۶
یہ سن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار
مادر پکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار
چلایا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار
بانو کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے
اماں اڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

۱۲۷
پردہ الٹ کے خیمہ کا فضہ نے دی صدا
اے پردہ والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہِ کربلا
مارے گئے جہاد میں عباسؑ باوفا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علیؑ کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

۱۲۸
خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر
رانڈوں کے دل الٹ گئے تھرا گئے جگر
ماتم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی نوحہ گر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر
ہے ہے کا غل ہوا کہ سکینہؑ اچھل پڑی
حجلے سے بال کھولے دلہن بھی نکل پڑی

۱۲۹
اکبرؑ نے آ کے گاڑ دیا صحن میں علم
کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بہ درد و غم
لو زینب اپنے بھائی کو رو آئے رن میں ہم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے
رنڈسالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لئے

۱۳۰
برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
بکھرا دئے حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال
پیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خورد سال
فق ہو گیا سکینہؑ کا منہ سانس الٹ گئی
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

۱۳۱
منہ دامنِ علم سے چھپا لے بہ صد بکا
چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

۱۳۲
اللہ رے دل خراش علیؑ کی بہو کے بین
سکانِ آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ
تھامے تھی ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
ٹکڑے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے
حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

۱۳۳
کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امامِ دیں
اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
منہ کر کے سوئے نہر پکاری وہ دل حزیں
صاحب حسینؑ روتے ہیں تم کو خبر نہیں
جنگل بسا دیا شہِ والا کو چھوڑ کے
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

۱۳۴
صاحب سکینہؑ جان بلکتی ہے آئیے
کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
الفت کے دلدہی کے منافی نہ چاہئے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہئے

۱۳۵
کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں
بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
جانِ علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں
ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑیے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

۱۳۶
والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے
اس کو بلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
سر پیٹتی ہوئی لبِ دریا کنیز آئے
کیا اُسکی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

۱۳۷
ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا
خضر اُن کو مل گئے علمِ سبز کیا بلا
تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی ملا
صدقے سے شہ کے جعفرِ طیّار ہم ہوئے
صاحب تمھیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

۱۳۸
میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا
سردار فیض بخش علمدار باوفا
آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امامِ غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

۱۳۹
کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد دم بہ دم
تو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ اُمم
تم ہم کو چاہتی ہو تمھیں چاہتے ہیں ہم
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

۱۴۰
کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیرِ حق کے لال
بھائی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی تنت میں راتیں فراق کی

۱۴۱
صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوف جا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا
دریا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
بستر کو خالی دیکھ کے گذرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق میں یہ پہلی رات ہے

۱۴۲
ہے ہے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی
کن راحتوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی
غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ رخصت بچھڑ گئی
والی مجھے بلاؤ کہ دنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زشت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

۱۴۳
کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی
میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفا نہ تھی
کیا پائنتی بھی اک مری تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منھ موڑتے نہیں
ساتھی بُرا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

۱۴۴
یوں منھ کو موڑنا تو طریقِ وفا نہیں
کیوں کر تمھیں جہاز موافق ہوا نہیں
صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
منجدھار میں تو ناؤ ہے اور ناخدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہ مشرقین کا
والی مجھے بلا ہیے صدقہ حسینؑ کا

۱۴۵
صاحب تمھیں سکینہؑ ناشاد کی قسم
تم کو حسینؑ کشتۂ بے داد کی قسم
صاحب تمھیں مصیبت سجادؑ کی قسم
تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیائے زشت میں
۱ مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لو بہشت میں

۱۴۶
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سر وہ سوگوار
بھاوج کے ہاتھ تھام کے بولے بحالِ زار
ڈیوڑھی پہ آ کے روتے ہوئے شاہِ نامدار
بس بس خدا کو یاد کرو اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لئے مرگ و گور ہے
بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

۱۴۷
بس اے انیسؔ طول کی آگے نہیں ہے تاب
بلواؤ خاکسار کو یا ابنِ بوتراب
طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب جواب
ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا
خاکِ شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

سلام

صبر کرتے تھے سلامی شہِ والا کیا کیا
اہلِ کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا
بانو کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا افسوس
تھی مجھے بیاہ کی اکبرؑ کے تمنا کیا کیا
تیر کھاتے ہی گلے میں جو دمِ اصغرؑ کا رُکا
شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچہ کیا کیا
دیکھتا جو سرِ قاسمؑ کو وہ کہتا رُو رو
حسرتیں لے گیا دُنیا سے یہ دولھا کیا کیا
لاشِ عباسؑ پہ آنے جو دیتے تھے لعیں
تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لبِ دریا کیا کیا
منع جو رونے کو کرتا تو یہ کہتے سجادؑ
کیوں نہ روؤں ستم ان آنکھوں سے دیکھا کیا کیا

قطعہ

شاہ دیں کے حرم آئے تھے وطن سے جس دم
خاک پر پیٹ کے سر دولہے صغراؑ کیا کیا
اور ایک ایک سے کہتی تھی بتاؤ لوگو
کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے بابا کیا کیا
سینۂ شہ سے نہ بن ذبح کئے شمر اُترا
گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہراؑ کیا کیا
بانوؑ کبھی تھی تصور میں علی اصغرؑ کے
دودھ بن تڑپا ہے ہے مرا بچا کیا کیا
پانی دو دن نہ ملا تیر گلے پر کھایا
اتنی سی زندگی میں سہہ گئے ایذا کیا کیا
دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابدؑ نے کہا
بعد مرنے کے بھی صدمہ تمھیں ہو بچا کیا کیا

www.miranees.com